تحریکِ پاکستان
میں
جماعت احمدیہ کا کردار
مؤلفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت
الناشر
نظارت اشاعت لٹریچر و تصنیف ربوہ

ترتیب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تمہید

تحریکِ پاکستان ایک عظیم الشان جدوجہد اور مسلسل قانونی و آئینی جنگ کا نام ہے، جو مسلمانانِ برصغیر کو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اپنی اجتماعی زندگی کے بقا اور اپنے اقتصادی و سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے ۱۸۸۳ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک لڑنا پڑی اور بالآخر ایک عظیم اسلامی مملکت ——— پاکستان ——— کی شکل میں منزلِ مراد تک پہنچی۔

اس جنگ کا آغاز "اینگلو محمڈن ڈیفینس ایسوسی ایشن" سے ہوا جس کے اجلاس اوّل (منعقدہ ۱۰ راپریل ۱۸۸۳ء) میں مسلمانوں کے لیے یہ لائحہ عمل تجویز کیا گیا کہ وہ :-

"ہمیشہ گورنمنٹ کے کام میں خیرخواہی اور وفاداری کے ساتھ مدد دیتے رہیں اور اپنے حقوق کی حفاظت کرتے رہیں"

(اخبار عام لاہور ۱۴ راپریل ۱۸۸۳ء صفحہ ۶، ۸)

یہ انجمن ہندوستان کے مسلمانوں کی پہلی ملک گیر سیاسی تنظیم تھی جو علیگڑھ میں قائم ہوئی اور اس کے قائد سرسید احمد خاں مرحوم تھے جن کو حضرت بانی جماعت احمدیہ، بہادر، زیرک، فراست رکھنے والا اور پولیٹیکل مصالح شناس بزرگ کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے (فریاد درد صفحہ ۳ طبع اوّل) جبکہ لدھیانہ، گنگوہ، سہارنپور، دہلی، دیوبند اور دیگر متعدد مقامات ہند

کے علاوہ مدینہ منورہ اور بغداد شریف کے بعض نامی گرامی علماء نے سرسید مرحوم پر کفر و ارتداد کے فتوے دیئے اور اُن کی ایسوسی ایشن میں شمولیت کو حرام اور ہندوؤں کی آل انڈیا نیشنل کانگرس سے وابستگی کو مباح قرار دیا۔ یہ سب فتوے نصرت الابرار مطبوعہ ۱۸۸۹ء میں شائع شدہ ہیں۔

سرسید خاں مرحوم کے بعد تحریک پاکستان کے اکثر و بیشتر معرکے مسلم لیگی عمائد بالخصوص قائداعظم محمدؐ علی جناح کی سرکردگی میں طے ہوئے اور اس سلسلے میں آخری لڑائی باؤنڈری کمیشن میں بحث کی شکل میں لڑی گئی۔

تحریک پاکستان کے چونسٹھ ۶۴ سالہ دَور میں تو بیشمار مراحل میں سے کاروانِ حُریّت کو گزرنا پڑا مگر خاص طور پر بعض ایسے انقلابی مراحل بھی پیش آئے جن میں سے ہر ایک اپنی ذات میں مستقل اہمیت کا حامل تھا اور جس کی بدولت مسلم قوم نہایت تیزی سے آگے بڑھنے میں کامیاب ہوتی رہی اور اپنوں اور بیگانوں کی شدید مزاحمتوں کے باوجود اپنا ایک قومی وطن بنانے میں کامیاب ہوئی۔

تاریخ قیام پاکستان پر گہری نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل دس ایسے انقلاب انگیز مراحل کی نشان دہی ہوتی ہے:۔

۱۔ دو قومی نظریہ کی ترویج و اشاعت۔
۲۔ مسلم لیگ کی بنیاد اور مسلم قوم کا واحد پلیٹ فارم۔
۳۔ جُداگانہ نیابت کا بنیادی مطالبہ۔
۴۔ نہرو رپورٹ کے خلاف جدوجہد۔
۵۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں مسلم اقلیت کے حقوق کے لیے مؤثر آواز۔

۶۔ قائدِ اعظم کی لنڈن سے واپسی کے لیے تحریک اور مسلم لیگ کی نشاۃِ ثانیہ۔

۷۔ قراردادِ پاکستان کی تائید اور مرکزی اور صوبائی انتخابات (۴۶-۱۹۴۵ء) میں مسلم لیگ کی بے مثال حمایت۔

۸۔ مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت۔

۹۔ خضر حیات وزارت کے استعفاء کی کامیاب جدوجہد۔

۱۰۔ باؤنڈری کمیشن میں مسلم حقوق کی حفاظت کے لیے جدوجہد۔

جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ فخر حاصل ہے کہ وہ واحد مذہبی جماعت ہے جسے من حیث الجماعت تحریکِ پاکستان کے ان سب مراحل میں بھرپور حصہ لینے اور ملتِ اسلامیہ کی مقدور بھر خدمت بجا لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل ایک مبسوط کتاب کا تقاضا کرتی ہے مگر میں صرف اشارات ہی پر اکتفاء کروں گا۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ۝

پہلی فصل

دو قومی نظریہ کی ترویج و اشاعت

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ علیہ السلام نے زندگی بھر مسلمانوں کی مستقل اور جداگانہ زندگی کے قیام و بقا کے لیے جدوجہد فرمائی اور ہندو کانگریس کے نظریۂ قومیت متحدہ سے اپنی جماعت کو ہمیشہ الگ رکھا۔ چنانچہ جناب مولانا ظفر علی خاں صاحب فرماتے ہیں:۔

"جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ..... کی زندگی کا ایک بڑا مقصد آپ کے متعدد دعاوی کے لحاظ سے جو حیّزِ تحریر میں آچکے ہیں مسلمانوں میں وحدت قائم کرنا تھا۔"

("ستارہ صبح" ۸ دسمبر ۱۹۱۶ء بحوالہ "مولانا ظفر علی خاں کی گرفتاری" صہ۵ از خان کابلی مارچ ۱۹۳۷ء)

اسی طرح جناب مولوی انشاء اللہ خاں ایڈیٹر وطن کے بھائی مولوی محمد شجاع اللہ صاحب نے اپنے اخبار "ملت" (لاہور) میں اعتراف کیا کہ "ہم جناب مرزا غلام احمد مرحوم و مغفور کے پیرو نہیں ہیں اور مرحوم کے کئی خیالات سے ہم کو اختلاف رہا ہے مگر جس اصول پر انہوں نے اپنے مشن کی بنیاد قائم کی تھی اس سے کسی باخبر اور ذی ہوش مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اُن کی تمام جدوجہد کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں

خالص اسلامی سپرٹ ازسرنو پیدا کر دیا جائے تاکہ اُن کی قومیت محفوظ رہے۔[1]

۱۹۰۵ء کا سال مسلمانانِ ہند کی سیاسیات میں ایک نئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ پہلا سال ہے جبکہ انہیں ہندوؤں کے مقابل اپنی جداگانہ ہستی کے تحفظ کا احساس پوری شدت سے پیدا ہوا۔ بات یہ ہوئی کہ لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے ستمبر ۱۹۰۵ء میں بنگال کے وسیع صوبہ کو صوبہ مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔[2] اس تقسیم سے مسلمانوں کو صوبہ مشرقی بنگال میں زبردست اکثریت اور برتری حاصل ہو گئی اور آئندہ کے لیے اُن کی سیاسی طاقت و قوت کے ابھرنے کا قیمتی موقعہ میسر آ گیا ہندو جو آئندہ انگریز کا سیاسی جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے تھے تقسیم بنگال کے فیصلہ سے بھڑک اُٹھے ۱۶ راکتوبر ۱۹۰۵ء کو بنگالی ہندوؤں نے ماتمی جلسے کئے مگر اس دن مسلمانوں نے جا بجا اظہارِ مسرت کیا۔[3] آل انڈیا نیشنل کانگرس کے ہندو لیڈروں نے اجلاس کلکتہ میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ فیصلہ واپس لے، لیکن مسلمانوں نے حکومت کے فیصلہ کی پُرجوش تائید کی۔ بنگالی ہندو یہ نہیں چاہتے تھے کہ سوا دو کروڑ مسلمان اُن کی سیاسی و سماجی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ پھر سے ہندوؤں کے حوالے کر دیئے جائیں، لاہور کے اخبار "ایزرور" نے اُن دنوں ایک مفصل نوٹ میں ہندوؤں کے مظالم اور مسلمانوں کی آل انڈیا نیشنل کانگرس اور اس کی

---

[1] بحوالہ اخبار الحکم قادیان ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۴

[2] تقسیم بنگال سے متعلق سرکاری اعلان الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء میں بھی چھپا ہوا ہے۔

[3] اخبار کرزن گزٹ ۸ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۱ کالم ۲ - ۳

ایجی ٹیشن سے علیحدگی کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی جس کا ترجمہ قادیان کے ہفت روزہ الحکم نے بھی اپنی ۳۱ راگست ۱۹۰۵ء کی اشاعت میں دیا۔

ملک بھر کی تجارتوں اور ملازمتوں پر چھائے ہوئے ہندوؤں نے اپنے مفاد کے لیے سودیشی تحریک چلائی حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کو اس سے علیحدہ رہنے کا ارشاد فرمایا اور اس کی تعمیل میں احمدیوں نے دوسرے مسلمانوں سے بڑھکر امن قائم رکھا۔ آریہ لوگ قادیان میں سودیشی تحریک کی تائید میں جلسہ کرنا چاہتے تھے اور وہ حضور کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے کہ اس میں احمدیوں کو بھی شرکت کی اجازت دیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا[1] اسی طرح لدھیانہ میں ایک ہندو نے آپ سے سودیشی تحریک میں شرکت کے لیے درخواست کی تو حضرت اقدس نے فرمایا:-

"اس تحریک کی ابتداء ملکی اشیاء کی ہمدردی سے نہیں ہے بلکہ تقسیم بنگالہ پر بنگالیوں کی ناراضگی اس کی جڑ ہے اس واسطے یہ امر منحوس معلوم ہوتا ہے۔"[2]

---

[1] اخبار "بدر" ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ کالم ۳

[2] " " " " " " " " " "

دوسری فصل

مسلم لیگ کا قیام اور جماعت احمدیہ

مسٹر مارلے وزیر ہند نے جولائی ۱۹۰۶ء کے اجلاس دار العوام میں میزانیہ ہند پیش
کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ وائسرائے ہند ایک کمیشن مقرر کرنے والے ہیں جو اس
بات پر غور کرے گا کہ سول اور فوج میں انگریزوں کی طرح ہندوستانیوں کو پہلے سے
زیادہ عمل دخل دینے کے لیے آئین ہند میں کونسی اصلاحات ضروری ہیں[1] اس تقریر کے
جلد بعد گورنمنٹ انڈیا نے خاص اسی مقصد کے لیے کمیٹی مقرر کردی۔ اس موقع پر
مسلمانان ہند نے خاموش رہنا قومی خودکشی کے مترادف سمجھا چنانچہ ہندوستان کے تمام
صوبوں کے سرکردہ مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد تیار کیا گیا، جس میں ہز ہائی نس آغا خان، نواب
محسن الملک صاحب، حکیم محمد اجمل خاں صاحب، نواب نصیر حسین صاحب خیال،
مسٹر رفیع الدین احمد صاحب، نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب، سید علی امام صاحب
میاں محمد شفیع صاحب اور دیگر مسلمان رؤساء، جاگیردار، وکلا اور تاجر شامل تھے[2]

یہ وفد یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو بمقام شملہ ہز ہائی نس سر آغا خاں کی سرکردگی میں
لارڈ منٹو وائسرائے ہند کی خدمت میں پہنچا اور ایک مفصل ایڈریس پیش کر کے واضح

۱؎ "سفینۂ حیات" صفحہ ۱۸ مؤلفہ منشی غلام قادر صاحب فرخ۔ دار الاشاعت امرتسر ۱۵ مارچ ۱۹۵۱ء

۲؎ اخبار کرزن گزٹ دہلی ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

کیا کہ مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ایک مستقل قوم ہیں انہیں سرکاری ملازمتوں، کونسلوں ہائی کورٹوں اور چیف کورٹوں، میونسپل بورڈوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں ان کے تناسب کے مطابق جداگانہ نیابت دیکر اُن کے حقوق محفوظ کیئے جائیں، ایڈریس میں آخری گذارش یہ تھی کہ "ہز میجسٹی کی مسلمان رعایا کی اس طریق سے مدد کرنے سے... یور ایکسی لینسی ان کی لازوال لائلٹی کو جو تخت کے ساتھ ہے مضبوط کریں گے اور ان کی پولیٹیکل ترقی اور قومی بہبودی کی بنیاد ڈالیں گے اور یور ایکسی لینسی کا نام اُن کی نسلیں شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھیں گی" [۱]

شملہ کے مسلم وفد سے لارڈ منٹو کی ملاقات بہت کامیاب رہی اور حکومت نے مسلمانوں کو ایک مستقل اور علیحدہ قوم تسلیم کر کے ان کو ملک کے اعلیٰ عہدوں میں معقول حصہ دینا منظور کر لیا۔ [۲] یہ فیصلہ مسلمانوں کے لیے جشن عید سے کم نہ تھا۔ حکومت کے اس اقدام سے مسلمانان ہند کے اندر خوشی اور مسرت کی زبردست لہر دوڑ گئی اور مسلم پریس نے اداریئے لکھے جن میں برطانوی حکومت خصوصاً مسٹر جان مارلے اور لارڈ منٹو کی مسلم نوازی پر زبردست خراج تحسین ادا کیا اور مسلمانوں نے ہندوستان بھر میں شاندار جلسے منعقد کیئے اور یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ :-

"مسلمان حکومت کے نہایت شکر گذار ہیں کہ اس نے مسلمان قوم کے امپیریل اور لوکل لیجسلیٹو کونسلوں میں جداگانہ نیابت کے جائز اصول کو مدبرانہ طریقہ

---

[۱] اخبار کرزن گزٹ دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۰ - ۱۱

[۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار "پیسہ اخبار" لاہور ۲ ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲ (اداریہ) ۷ ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۵ - ۶ ملخصاً

! ... سے تسلیم کیا ہے۔ [1]

ان جلسوں میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش احمدیوں نے بھی شرکت کی اور بے انداز خوشی کا اظہار کیا۔ "پیسہ اخبار" نے جلسہ لاہور کی روداد میں لکھا کہ:۔

"لاہور کے اس جلسے میں یہاں کی اسلامی آبادی کے تمام فرقوں کے قائم مقام شریک ہوئے اور اعلیٰ درجہ کے مقتدر و ذی وجاہت اصحاب سے لیکر غرباء تک سب نے کمال عقیدتمندی و گرمجوشی سے شکر گذاری کے ریزولیوشن پاس کرانے میں حصہ لیا اور کسی گوشہ سے کوئی دھیمی آواز بھی اختلاف کی سنائی نہ دی جس سے پتہ لگتا تھا کہ یوں بیچارے لاہور مسلمانوں کی فرقہ بندیوں اور حنفی، اہلحدیث، اہل قرآن، مرزائی وغیرہ جماعتوں کے جھگڑوں میں بدنام ہو اور بعض قضایا ناگوار و مضرت رساں طوالت اختیار کرکے عدالت تک پہنچ جائیں مگر برٹش گورنمنٹ کو اس ملک کے لیے موجب خیر و برکت مانتے ہیں وہ قریباً یکساں خیال رکھتے ہیں اور سرکار کی کسی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر اُن کے سب فرقے بآسانی متحد کئے جا سکتے ہیں۔" [2]

اس ماحول میں، ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد پڑی جس کے حسب ذیل اغراض و مقاصد قرار پائے۔

۱۔ مسلمانوں میں گورنمنٹ کی نسبت وفادارانہ خیالات کو ترقی دی جاوے۔

۲۔ اپنے اغراض و مقاصد کو اعتدال کے ساتھ گورنمنٹ میں پیش کیا جاوے۔

---

[1] اخبار "پیسہ اخبار" ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲

[2] اخبار "پیسہ اخبار" لاہور ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲

۳۔ مندرجہ بالا مقاصد کو ملحوظ رکھ کر ہندوستان کی دوسری اقوام سے روابط اتحاد کو ترقی دی جاوے۔

یکم دسمبر ۱۹۰۷ء کو لاہور میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ قائم کی گئی جو ڈھاکہ کی اصل مسلم لیگ کی صوبائی شاخ تھی[1] جس کے ابتدائی ممبروں میں خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب، چوہدری شہاب الدین صاحب، مولوی احمد دین صاحب بی۔اے وکیل اور مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز بھی تھے[2]، مقدم الذکر تینوں حضرت مسیح موعودؑ کے گہرے عقیدتمندوں[3] میں اور موخر الذکر آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔
مرکزی مسلم لیگ کے قیام کے بعد بنگالی ہندوؤں کی شورش میں اضافہ ہو گیا جس پر حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام نے ۲۲ اپریل ۱۹۰۷ء کو ارشاد فرمایا:۔

"ان کے خیالات و حرکات سے ہمیں قطعی نفرت ہے ہماری جماعت کو بالکل ان سے الگ رہنا چاہیئے تعجب کی بات ہے کہ جو قوم حیوان کو انسان پر ترجیح دیتی ہو اور ایک گائے کے ذبح سے انسان کا خون کر دینا کچھ

---

[1] تفصیل پیسہ اخبار لاہور ۳ دسمبر ۱۹۰۷ء میں موجود ہے۔

[2] پیسہ اخبار ۳ دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۶ کالم ۳۔

[3] اس حقیقت کا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضرت اقدس کے لیکچر "پیغام صلح" کا اشتہار شائع کرنے والوں میں ان سب مشاہیر کا نام ہے (ملاحظہ ہو پیغام صلح)

بات نہ سمجھتی ہو وہ حاکم ہو کر کیا انصاف کرے گی"[۱]

اس سے بڑھکر یہ کہ حضور نے اپنے عہد مبارک کے آخری سالانہ جلسہ کے موقع پر واضح انتباہ فرمایا:۔

"ہندوؤں سے بالکل جوڑ نہ رکھیں اگر انگریز آج یہاں سے نکل جاویں تو یہ ہندو مسلمانوں کی بوٹی بوٹی کر دیں"۔[۲]

حضرت بانی جماعت احمدیہ کے مندرجہ بالا اثرات سے مسلمانان ہند کی جداگانہ تنظیم کی ضرورت اور تحریک پاکستان کے پس منظر پر کمال روشنی پڑتی ہے[۳]۔ ۱۹۰۷ء کے جلسہ سالانہ کے بعد حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام نے اپنی وفات سے قبل آخری تصنیف "پیغام صلح" میں **دو قومی نظریہ** کی زبردست تائید کی اور مسلم لیگ کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ بات ہر ایک شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ

۱؎ اخبار بدر ۹ مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۵ کالم ۳

۲؎ اخبار الحکم ۱۰ رجنوری ۱۹۰۸ء

۳؎ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے ۱۹۰۷ء میں ہندوؤں خصوصاً بنگالی ہندوؤں کی نسبت جس رائے کا اظہار فرمایا تھا اس کی حقانیت پر سقوطِ ڈھاکہ اور بنگلہ دیش کے روح فرسا حالات نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

مسلمان اس بات سے کیوں ڈرتے ہیں کہ اپنے جائز حقوق کے مطالبات میں ہندوؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کیوں آج تک اُن کی کانگریس کی شمولیت سے انکار کرتے رہے ہیں اور کیوں آخر کار ہندوؤں کی درستئ رائے محسوس کر کے اُن کے قدم پر قدم رکھا مگر الگ ہو کر اور اُن کے مقابل پر ایک مسلم انجمن قائم کر دی مگر اُن کی شراکت کو قبول نہ کیا۔

صاحبو! اس کا باعث دراصل مذہب ہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں"۔ (پیغام صلح صفحہ ۲۸-۲۹)

آپ کے اس واضح مسلک کے مطابق احمدیوں کی تمام قومی ہمدردیاں جو ابتدا ہی سے مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ ہوگئی تھیں حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین رضؓ کے زمانہ خلافت (مئی ۱۹۰۸ء تا مارچ ۱۹۱۴ء) میں اور زیادہ نمایاں ہو گئیں اور احمدیہ پریس اور خصوصاً حضرت میر قاسم علی صاحبؓ کی ادارت میں دہلی سے نکلنے والے جماعتی آرگن "الحق" نے تو مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں ایسے ایسے پُرزور اور شاندار اداریے اور نوٹ شائع کئے جو اپنی نظیر آپ تھے اور جو تحریک پاکستان کی تاریخ

میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائینگے۔ قادیان سے شائع ہونے والے جرائد و رسائل میں سے اخبار "بدر" نے بھی مسلم لیگ کے حق میں آواز بلند کی۔

(ملاحظہ ہو "بدر" ۵ر اکتوبر ۱۹۱۱ء)

اس اخبار نے قائد اعظم محمد علی جناح کے اُس بل کا ترجمہ بھی شائع کیا جو آپ نے ۱۷ر مارچ ۱۹۱۱ء کو وائسرائے کی کونسل میں مسودۂ قانون وقف علی الاولاد کے تعلق میں پیش فرمایا تھا علاوہ ازیں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۱۳ء کی منظور شدہ قرار دادوں کا مکمل متن بھی شامل اشاعت کیا۔

(اخبار بدر ۲۴ر اپریل صفحہ ۱۳، ۴)

مسلم لیگ کے قیام و بنیاد کے وقت کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مسلم لیگ ایک ایسے زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی مستقل اور جداگانہ تنظیم کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی اپنی انفرادیت کو نظر انداز کر کے کسی وقت محض آل انڈیا نیشنل کانگرس کی تابع مہمل بن کر رہ جائیگی، مگر حضرت بانی جماعت احمدیہ کی کشفی قوت ملاحظہ ہو کہ آپ نے ۱۹۰۷ء میں فرمایا کہ "مسلم لیگ بھی کانگرس کا رنگ اختیار کرے گی"[1] نیز "پیغام صلح" میں پیشگوئی فرمائی کہ ممکن ہے کہ منافقانہ طور پر ہندو مسلم کا میل جول بھی ہو جائے مگر یہ مصالحت و اتحاد ہرگز دیرپا نہیں ہوگا جب تک مذہبی لحاظ سے دلوں کی کدورتیں ختم نہ ہوں۔ (صفحہ ۲۹-۳۰)

چنانچہ آپ کی یہ فراست مستقبل میں سو فیصدی درست ثابت ہوئی، ۱۹۱۳ء کے اجلاس لکھنؤ میں مسلم لیگ نے کانگرس کا رنگ اختیار کر لیا اور کانگریس کی ہمنوا بنکر ایسے وقت میں اپنا نصب العین سلیف گورنمنٹ قرار دے دیا جبکہ مسلم قوم کا کوئی

---

[1] "سیرت مسیح موعود" از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ

مضبوط اور متحدہ سیاسی مرکز موجود نہ تھا اور اس صورت میں ہندوستان کی آزادی کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ برآمد نہ ہو سکتا کہ مسلمان مستقل طور پر ہندوؤں کے غلام بن جاتے بالفاظ دیگر ہندو جس جدوجہد کو آزادی کا نام دے رہے تھے وہ اُن حالات میں مسلمانوں کے لیے صریحاً تحریک بربادی تھی چنانچہ مسلم لیگ کے صفِ اوّل کے لیڈر نواب وقار الملک نے ایک بار فرمایا:-

"اگر خدانخواستہ کسی وقت ہندوستان میں انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور ہماری جان و مال و آبرو سب خطرے میں ہوں گے"۔[۱]

یہ بات اتنی واضح ہے کہ جناب مودودی صاحب جیسے انسان جنہوں نے اس زمانہ میں گاندھی جی کی سیرت پر کتاب لکھنے کا "شرف" حاصل کیا تھا[۲] آپ کھلے لفظوں میں اعتراف کر رہے ہیں کہ "ہندو مسلم اتحاد ہوا اور کانگرس کے ساتھ مل کر مسلمانوں نے کام شروع کیا اور سوراج کی آوازیں ہر طرف بلند ہونے لگیں ...... ہندو مسلم کے لیے یہ بات سب سے زیادہ مفید تھی کیونکہ وہ اکثریت میں تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو ایک قوم قرار دے کر جو جمہوری نظام بھی قائم ہوگا اس کا سارا

---

[۱] پاکستان اور اسلامی حکومت کی تشکیل (محمد اسماعیل صاحب نظامی) ناشر نظامی پبلشنگ کمپنی مزنگ لاہور

[۲] خودنوشت سوانح مشمولہ "مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں" ـــــ صفحہ ۲۳

فائدہ انہی کو حاصل ہوگا اور آخر کار مسلمان ان کے ماتحت بلکہ ایک طرح سے اُن کے عملاً غلام بن کے رہ جائیں گے۔"[1]

المختصر مسلم لیگ نے جب قومی تنظیم اور مرکزیت کو مستحکم کئے بغیر سیلف گورنمنٹ کا کانگریسی فارمولا ۱۹۱۳ء میں ہی اپنا لیا تو دونوں پارٹیوں میں صرف نام کا فرق رہ گیا، چنانچہ منشی غلام قادر فرخ آل انڈیا مسلم لیگ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کے جلسے مختلف شہروں میں اس انداز سے ہوتے رہے جیسے کانگرس کے مطالبات بھی تقریباً ایک سے ہوتے تھے فرق صرف نام کا تھا وہ نیشنل کانگرس یہ مسلم لیگ"۔[2]

پھر لکھتے ہیں:۔

"نصب العین آزادی کے بعد مسلم لیگ اور نیشنل کانگرس کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا اور عموماً ایک ہی مقام پر جلسے اور ایک ہی قسم کے ریزولیوشن منظور ہونے لگے"۔[3]

اس خطرناک پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو کانگرس مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی اور مسلمان ہندوؤں کی چلائی ہوئی خلافت عدم موالات اور ہجرت جیسی شورش انگیز تحریکوں میں شامل ہوکر تباہ برباد ہوگئے، تحریک پاکستان کے مورخ میاں محمد مرزا دہلوی لکھتے ہیں:۔

---

[1] "جماعت اسلامی کے ۲۹ سال" صفحہ ۹-۱۰ طبع اول ستمبر ۱۹۷۰ء

[2] "سفینہ حیات" صفحہ ۴۲

[3] " " ۲۶

"کچھ دنوں کے بعد جب مورخ کا بے رحم قلم اس ایجی ٹیشن کے جذبی اثر سے آزاد ہو کر اس کا جائزہ لے گا اور خالص سیاسی نقطہ نظر سے اسے جانچے گا تو ایجی ٹیشن کا یہ سارا دور اپنی ہنگامہ خیزیوں کے باوجود اسے ایک ایسا بے نتیجہ سیاسی بحران نظر آئے گا جس نے مسلمانوں کی قومی خودداری کا خاتمہ کر کے رکھ دیا...... **ہندوؤں کا پروگرام تھا ہندو ہی اس کے رہنما تھے مسلمانوں کی حیثیت اس ایجی ٹیشن میں ان کے آلہ کار سے زیادہ نہیں تھا۔ اس وقت تک ان سے کام لیا جب تک انہیں ضرورت رہی**" [1]

اس حقیقت پر شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے خط میں بایں الفاظ روشنی ڈالی :-

"**اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھوں بک جانا گوارا نہیں** ہوسکتا افسوس اہل خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا" [2]

---

[1] مسلمانان ہند کی حیات سیاسی صفحہ ۱۰۹

[2] اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۱۵۸

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں :-

"ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اس وجہ سے بگڑتے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اس کے افراد اور بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھوں کٹ پتلی بنے رہے"[1]

۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک کے اس دور میں جبکہ مسلمان عوام اور علماء اوروں کے ہاتھوں کھیل رہے تھے، ملک میں تنہا جماعت احمدیہ ہی ایک دینی جماعت تھی جو ثابت قدمی سے اپنے محبوب امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی زیر قیادت مسلم لیگ کی حقیقی روح اور بنیادی اغراض و مقاصد کی علمبردار بنکر مسلم قومیت کا پرچم لہراتی رہی اور نہ صرف خود ہندوؤں کے اٹھائے ہوئے فتنوں سے کلیتہً الگ رہی بلکہ اس نے دوسرے مسلمانوں کو بھی ان شراروں سے بچانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہی وہ ہیجان خیز دور ہے جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ نے "معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا رویہ" "ترک موالات اور اسلام" جیسی بے نظیر کتابیں لکھ کر مسلمانانِ ہند کی بروقت راہ نمائی فرمائی اور اُن کی صحیح منزل کو متعین کر دیا۔

اگر مسلمان زعماء اس مرد مجاہد کی آواز پر لبیک کہتے تو ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور مسلمانوں کی آزادی کی منزل بہت نزدیک آجاتی مگر افسوس جب دشمنان اسلام کے ہاتھوں ان کا قافلہ حیات نہایت بیدردی سے لٹ چکا اور ۱۹۲۳ء میں شدھی

---

[1] اقبال نامہ صفحہ ۳۵۹، ۳۶۰

اور سنگٹھن کی تحریکوں نے ہندو کے خوفناک عزائم کو بے نقاب کر دیا تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلنا شروع ہوئیں، یہاں تک کہ ۱۹۲۷ء میں کتاب "رنگیلا رسول" اور رسالہ "ورتمان" کی اشاعت نے اُن پر زلزلہ ساطاری کر دیا اور وہ مسلم لیگی زعماء بھی جو کانگرس کے پلیٹ فارم سے مسلم قوم کی ترقی اور بہبود کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے بالآخر حالات کے تقاضے اور حضرت مصلح موعود اور جماعت احمدیہ کی کوششوں سے دوبارہ "جداگانہ نیابت" کی منزل کی طرف پلٹنے پر مجبور ہو گئے۔

ع   لیک بعد از خرابی بسیار

تیسری فصل

جداگانہ نیابت کا بنیادی مطالبہ

اور

مسلمانوں کی یکجہتی کے لیے مساعی

اس باب میں حضرت امام جماعت احمدیہ اور آپ کی زیر ہدایت احمدیوں نے جو ناقابل فراموش خدمات انجام دیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۲۲ جون ۱۹۲۷ء کو اجلاس مسلم لیگ کے لیے اور ۱۶ جولائی ۱۹۲۷ء کو آل مسلم پارٹیز کانفرنس (منعقدہ امرتسر) کیلئے دو بیش قیمت مضامین سپرد قلم فرمائے جن میں مسلم اقلیت کی قومی حیات کے لیے نہایت قیمتی نصائح فرمائیں پھر ۱۹۲۷ء میں شملہ کانفرنس کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح اور دوسرے سیاسی زعماء پر مسلمانوں کی جداگانہ نیابت کی ضرورت روز روشن کی طرح نمایاں کر دکھائی پھر یہ جماعت احمدیہ کے مقدس امام ہی تھے جنہوں نے مسلم لیگ کے ارباب حل وعقد کی توجہ اس اہم انقلابی نکتہ کی طرف مبذول کرائی کہ:۔

"مسلم کی تعبیر مذہبی خیال سے اور ہے اور سیاسی

نقطہ خیال سے اور مذہبی نقطہ خیال تو مختلف فرق اسلام کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جن پر وہ اپنے نزدیک بنائے اسلام رکھتے ہیں متفق ہوں اور سیاسی نقطۂ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریمؐ پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے نقطہ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے ...... پس ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے دروازے ہر ایک اس فرقہ کے لیے کھلے ہوں جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے خواہ اس کو دوسرے فرقوں کے لوگ مذہبی نقطہ نگاہ سے کافر ہی سمجھتے ہوں اور اس کے کفر پر تمام علماء کی مہر لگا ثبت ہوں۔" (اساس الاتحاد صفحہ ۳۰۴)

مسلم کی یہی تعریف آئندہ چل کر مسلمانان ہند کو مسلم لیگ کے واحد پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا موجب بنی جس کے نتیجہ میں تحریک پاکستان کی منزل کامیابی سے ہمکنار ہوئی، چنانچہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں فرمایا

"اس (مسلم لیگ) نے اپنے دستور میں اعلان کر دیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ اس میں شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اس کا کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ مسلم لیگ کوئی مفتیوں کی جماعت نہیں علماء کے فتاویٰ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے صرف غیر کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قدرے توسیع کیا گیا ہے۔"

(خطبہ صدارت صفحہ ۱۵، ۱۶)

حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لیے ہمیشہ ہر ممکن اخلاقی، آئینی اور مالی ذرائع سے اعانت فرمائی اور صدر انجمن احمدیہ کا ریکارڈ اور مطبوعہ لٹریچر اس کی منہ بولتی شہادت دیتا ہے۔ ارجن سنگھ صاحب عاجز ایڈیٹر اخبار "رنگین" امرتسر نے اپنی کتاب "سیر قادیان" میں لکھا،

" جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ احمدی جماعت مسلم لیگ کے طرز عمل کی حامی ہے چنانچہ ذمہ دار احمدیوں سے تبادلہ خیالات کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کے مقاصد کی تکمیل کی خاطر ہزارہا روپیہ خرچ کرنے کے علاوہ اپنی تمام کوششیں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے وقف رکھی ہوئی ہیں۔"

چوتھی فصل

نہرو رپورٹ کے خلاف جدّوجہد

نہرو رپورٹ نے ملک میں وحدانی طرزِ حکومت کی تائید کر کے مسلمانوں کو مستقل طور پر ہندوؤں کا غلام بنانے کی سازش کی تھی، جسے ناکام بنانے کا سہرا حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے سر ہے جنہوں نے ۱۹۲۸ء میں "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" کے نام سے ایک باطل شکن کتاب لکھی، اور مسلمانوں کے مطالبات کا ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ معقول ہونا ثابت کیا۔ نیز مسلمانوں کو یہ قیمتی نصیحت فرمائی:۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے کوشش نہ کرو جبکہ انگلستان نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہندوستان کو نیابتی حکومت کا حق ہے اس کے لیے جو جائز کوشش کی جائے اس میں اپنے دوسرے بھائیوں کا شریک ہوں، مگر جو چیز مجھے یہ گراں ہے اور میرے دل کو بٹھائے دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کئے بغیر آئندہ طرقِ حکومت پر راضی ہو جائیں۔ اس کے نتائج نہایت تلخ اور نہایت خطرناک نکلیں گے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ جب تک کہ دو نو مسلم لیگ کی پیش کردہ تجاویز کو قبول نہ کر لیا جائے اُس وقت تک وہ کسی صورت میں بھی سمجھوتے پر

راضی نہ ہوں ورنہ جو خطرناک صورت پیدا ہوگی اس کا تصور کر کے بھی دل کانپتا ہے۔" (مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ صفحہ [illegible])

اس زمانہ میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر نے اپنے اخبار "ہمدرد" ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ اور آپ کی جماعت کی اسلامی خدمات پر زبردست خراج تحسین ادا کیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:-

"ناشکر گذاری ہوگی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لیے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاست میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم، تبلیغ و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لیے بالعموم اور ان اشخاص کے لیے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔

جن اصحاب کو جماعت قادیان کے اس جلسہ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم اور طریق کار پر اظہار خیالات فرمایا شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

(ہمدرد دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اسی طرح اخبار "مشرق" گورکھپور نے لکھا:۔

"جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں آپ ہی کی تحریک سے ورتمان پر مقدمہ چلایا گیا آپ کی ہی جماعت نے رنگیلا رسول کے معاملہ کو آگے بڑھایا، سرفروشی کی اور جیل خانہ جانے سے خوف نہیں کھایا، آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر پنجاب کو عدل و انصاف کی طرف مائل کیا آپ کا پمفلٹ ضبط کر لیا مگر اس کے اثرات کو زائل نہیں ہونے دیا اور لکھ دیا کہ اس پوسٹر کی ضبطی محض اس لئے ہے کہ اشتعال نہ بڑھے اور اس کا تدارک نہایت عادلانہ فیصلے سے کر دیا اور اس وقت

ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں

کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے
اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے۔"
(مشرق ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

ہے اکیلا کفر سے زور آزما   احمدی کی روح ایمانی تو دیکھ

پانچویں فصل

راونڈ ٹیبل کانفرنس میں مسلم اقلّیت کے حقوق کے لیے موثر آواز

نومبر ۱۹۳۰ء میں پہلی گول میز کانفرنس لنڈن میں شروع ہوئی، اس کانفرنس میں مسلم اقلیت کے حقوق کی موثر ترجمانی کا حق حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے "ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلے کا حل" جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھکر ادا کیا۔ جس پر علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین علی گڑھ اور سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون جیسے چوٹی کے مسلمان لیڈروں نے نہایت عمدہ پیرایہ میں تبصرے کئے۔ اخبار "ہمت" لکھنؤ نے ۵ دسمبر ۱۹۳۰ء کے پرچے میں یہاں تک لکھا کہ:۔

"ہمارے خیال میں اس قدر ضخیم کتاب کا اتنی قلیل مدت میں اُردو میں لکھا جانا، انگریزی میں ترجمہ ہو کر طبع ہونا، اغلاط کی درستی، حروف کی صحت اور اس سے متعلقہ سینکڑوں دقّتوں کے باوجود تکمیل پانا

اور فضائی ڈاک پر لنڈن روانہ کیا جانا اس کا بیّن
ثبوت ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت ہے
جو کہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اپنے فرائض سمجھ کر وقت
پر انجام دیتی ہے اور نہایت مستعدی اور تندہی
کے ساتھ۔"

شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار سیاست کے مدیر شہیر مولانا غلام رسول
صاحب مہر نے لکھا:۔

"مذہبی اختلافات کی بات چھوڑ کر دیکھیں تو جناب
بشیر الدین محمود احمد صاحب نے میدان تصنیف و
تالیف میں جو کام کیا ہے وہ بلحاظ ضخامت و افادہ
ہر تعریف کا مستحق ہے اور سیاسیات میں اپنی جماعت
کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں آپ نے جس
اصول عمل کی ابتدا کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب
بنایا ہے وہ بھی ہر مصنف مزاج مسلمان اور حق شناس

انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے آپ کی سیاست کا ایک زمانہ قائل ہے اور نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں کو مجتمع کرنے میں مسائل حاضرہ پر اسلامی نقطہ نگاہ سے مدلل بحث کرنے اور مسلمانوں کے حقوق کے متعلق استدلال سے مملوکتابیں شائع کرنے کی صورت میں آپ نے بہت ہی قابل تعریف کام کیا ہے۔"

(سیاست ۲ دسمبر ۱۹۳۰ء)

برصغیر کے ممتاز و معروف صحافی علامہ عبدالمجید خاں سالک نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے دی کہ :۔

"جناب مرزا صاحب نے اس تبصرہ کے ذریعہ بہت بڑی خدمت انجام دی ہے بڑی بڑی اسلامی انجمنوں کا کام تھا جو مرزا صاحب نے انجام دیا۔"

(انقلاب ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء)

چھٹی فصل

قائداعظم کی لندن سے واپسی کیلئے کامیاب تحریک

قائداعظم محمد علی جناح ہندو ذہنیت اور کانگرس میں شامل علماء کے مسلم کش رویہ سے گول میز کانفرنس کے دوران ہی سخت مایوس ہو گئے اور ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہنے کا فیصلہ کر کے انگلستان میں رہائش اختیار کر لی۔ قائداعظم خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"میں حیران ہوں کہ میری اَنّی خودداری اور وقار کو کیا ہو گیا تھا میں کانگرس سے صلح و مفاہمت کی بھیک مانگا کرتا تھا میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اتنی مسلسل اور غیر منقطع مساعی کیں کہ ایک انگریز اخبار نے لکھا مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ سے کبھی نہیں تھکتے لیکن گول میز کانفرنس کے زمانہ میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا، جیسے ہی خطرہ کے آثار نمایاں ہوئے ہندویت، دل و دماغ کے اعتبار سے۔ اس طرح نمایاں ہوئی کہ اتحاد کا امکان ہی ختم ہو گیا۔ اب میں مایوس ہو چکا تھا مسلمان بے سہارا اور ڈانوا ڈول ہو رہے تھے کبھی حکومت کے یار وفاداران رہنمائی کے لیے میدان میں آ موجود ہوتے تھے کبھی کانگرس کے نیازمندان خصوصی اُن کی قیادت کا

کا فرض ادا کرنے گئے تھے مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی کر سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں آخر میں نے لندن ہی میں بود و باش کا فیصلہ کر لیا۔"

(قائداعظم اور اُن کا عہد صفحہ ۱۵۱-۱۵۲ مؤلفہ مولانا رئیس احمد جعفری)

قائداعظم کے اس فیصلہ سے کانگرسی ہندو اور کانگرس نواز مسلمانوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا مگر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کا دردمند دل اس صورت حال کو دیکھ کر تڑپ اٹھا کہ مسلمانانِ ہند اپنے ایک محبوب سیاسی لیڈر کی براہ راست قیادت سے محروم ہو گئے ہیں اور مسلم سیاست پر وہ لوگ مسلط ہو رہے ہیں جو مسٹر گاندھی کو بالقوہ نبی مانتے ہیں چنانچہ امیر شریعت احرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسجد خیر الدین امرتسر میں کہا "میں مسٹر گاندھی کو نبی بالقوہ مانتا ہوں" (اخبار اتفاق و ذوالفقار بحوالہ "رہنمائے تبلیغ" صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ مؤلفہ سید محمد طفیل شاہ صاحب)

ایک اور موقعہ پر مہاتما گاندھی کو موسیٰ وقت قرار دیتے ہوئے کہا :-

"بلا تشبیہ اور بے تمثیل مہاتما کا میم اور موسیٰ کا میم برابر ہے ہر فرعونے را موسیٰ" (مقدمات امیر شریعت صفحہ ۲۷، ۲۸ ناشر مکتبہ احرار)

بعد ازاں امیر شریعت احرار نے تو ایک بار کھل کر اپنے خطرناک عزائم کا یوں اظہار بھی کر دیا :-

"بلا شبہ پنڈت جواہر لال نہرو جی نے بھی یہ آزادی کا جھنڈا بلند کیا

تھا خدا انہیں استقامت دے اور حون دُگنی اور رات چوگنی ترقی دے مگر یہ نعمت چونکہ ہم نے چھینی ہے اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اسے حاصل کرکے پنڈت جی کی خدمت میں پیش کریں ..... کوشش کرو کہ ہر مسلمان جواہر لال نہرو جیسا خطبہ پڑھے مسلمانوں کا حق ہے کہ آزادی حاصل کرکے دیگر اقوام کے سامنے بطور تحفہ پیش کریں اور خود خدمت خلق میں مصروف ہوجائیں ہم کو کسی چیز پر قابض ہوکر تسلط جما کر بیٹھنا نہیں چاہیئے"

(اخبار مجاہد ۱۱ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲)

دوسری طرف اُن کی رائے یہ تھی کہ:

"جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سوٗر ہیں اور سوٗر کھانیوالے ہیں"

(چمنستان صفحہ ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خاں)

شاہ جی کی ہمنوائی میں مولوی حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی صدر احرار یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے۔

"دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو

کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔"

(چمنستان از مولانا ظفر علی خاں ص۱۶۵)

ان لوگوں کا واضح مسلک یہ تھا کہ "خطرہ نہ یہود سے ہے

نہ ہنود سے بلکہ خطرہ خود ان نیک دل اور سادہ لوح

تیمار داروں سے ہے جو ملت اسلامیہ کے مرد بیمار کے مداوا

کے لیے مسلم لیگ اور اس کے رہنماؤں کی جدوجہد اور عملی

پروگرام پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔"

(مجلس احرار اور مسلم لیگ ص۸ شائع کردہ مجلس احرار اسلام باغبانپورہ)

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ہندوؤں کے لیے انتہائی مفید اور ملت اسلامیہ کے لیے سخت مہلک اور ضرر رساں تھی چونکہ حضرت امام جماعت احمدیہ جناب قائد اعظم محمد علی جناح ہی کو "ان کی خدمات کے باعث قابل عزت اور قابل ادب" سمجھتے تھے (انکیچر شملہ صفحہ ۱۹-۲۰) اس لیے آپ نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح قائد اعظم کو اپنا فیصلہ بدلنے اور پھر دوبارہ ہندوستان آکر مسلمانان ہند کی قیادت کے فرائض بجا لانے پر آمادہ کیا جائے اس کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ کی ہدایت پر مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے مارچ ۱۹۳۳ء میں اُن کے دفتر واقع کینگز بینچ واک لنڈن

(KINGS BENCH WALU LONDON) میں ملاقات کی اور انہیں مسلمانانِ ہند کی خدمت کے لیے پبلک میں آنے، لنڈن کی احمدیہ مسجد میں ہندوستان کا مستقبل کے موضوع پر تقریر کرنے اور انہیں دوبارہ ہندوستان واپس تشریف لے جانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔[۱]

ہندوستان پہنچ کر قائداعظم نے مسلم لیگ کی قیادت دوبارہ اپنے ہاتھ میں سنبھال لی جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ کی تنِ زندگی میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی جس نے قرارداد پاکستان کی شکل میں مسلمانان ہند کیلئے ایک واضح منزل متعین کی اور اس کے حصول کی خاطر عظیم الشان جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ و ۵۷۴ تا ۵۷۶

ساتویں فصل

قرارداد پاکستان کی تائید میں مرکزی و صوبائی انتخابات ۴۵-۱۹۴۶ء کے دوران مسلم لیگ کی پرجوش حمایت

قائداعظم کی قیادت کا اہم ترین واقعہ قرارداد پاکستان ہے جو ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں پاس ہوئی۔ اس قرارداد کے بعد سر سٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولا پیش کیا جسے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے مسترد کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی قطعی محال اور بالکل ناممکن دکھائی دینے لگی، عین اس تاریک اور گھٹا ٹوپ ماحول میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو ایک خطبہ جمعہ کے ذریعہ انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مفاہمت و مصالحت کی دعوت دی (الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء)
اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنا لیتا ہے یہی صورت یہاں ہوئی آپ کے خطبہ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے خود بخود یہ سامان پیدا کر دیا کہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کو جو ان دنوں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان جانا پڑا جہاں آپ نے سرکاری نمائندہ ہونے کے باوجود انگلستان کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ایسے زوردار اور پرشوکت و قوت الفاظ میں رکھا کہ دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا اور انگلستان کے سربرآوردہ اخبارات کے علاوہ ہندوستان کے مسلم و غیر مسلم پریس نے اس پر کثرت

تعریفی مضامین لکھے چنانچہ اخبار انقلاب نے "سر ظفر اللہ خان کی صاف گوئی" کے عنوان سے لکھا:-

"چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے کامن ویلتھ کی کانفرنس منعقدہ لنڈن میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے پیہے دلی توجہ کی مستحق ہے کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے

کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کو محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے"

(انقلاب ۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء)

حیدر آباد دکن کے روزنامہ پیام (۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء) نے لکھا:-

"سر ظفر اللہ کی آواز میں ایک گرج ہے ایک حصا کا ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے"

ہندو اخبار پربھات (۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء) نے یہ نوٹ شائع کیا:-

"ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفر اللہ خان کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق بات کہہ دی"

اخبار "پرتاپ" (۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء) نے لکھا:-

"ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر ظفر اللہ خان آجکل لنڈن

گئے ہوئے ہیں آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر ہیں لنڈن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں اُن سے ہندوستان تو کیا ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے..... آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔"

چوہدری صاحب کی ان حریت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا فوری اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھکر براہ راست برطانوی حکومت پر یہ ہوا کہ اس نے لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولا تجویز کرنے اور مسلم و غیر مسلم زعماء کو مصالحت کی پیشکش کرنے کے لیے لنڈن طلب کر لیا۔ لارڈ ویول برطانوی وزیر اعظم مسٹر چرچل اور کابینہ کے دوسرے ارکان سے مشورہ کے بعد ۵ رجون کو نئی تجاویز لیکر ہندوستان میں پہنچ گئے۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ۲۲ رجون ۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں مسلمان اور ہندو لیڈروں کو نہایت دردِ دل کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ انگلستان صلح کے لیے ہاتھ بڑھا رہا ہے، دو سو سال سے ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے وہ اس پیشکش کو قبول کر کے آئندہ نسلوں پر احسان عظیم کریں جنہ رکہ یہ

خطبہ جمعہ اور اس کا انگریزی ترجمہ دونوں ہندوستانی لیڈروں تک پہنچا دیا گیا۔
مشہور اہلحدیث عالم جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اخبار اہلحدیث میں اس خطبہ کے بعض اقتباسات دے کر یہ تبصرہ فرمایا:۔

"یہ الفاظ کس جرأت اور حیرت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگرسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا"

(اہلحدیث امرتسر ۲۰ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۴)

سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ۲۵ جون سے لیکر ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء تک جاری رہی قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح کانگرسی لیڈر لاہور ریزولیوشن کے مطابق مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی گارنٹی دے اور ملک میں ایک عارضی قومی حکومت قائم ہو جائے مگر کانگرس اس پر آمادہ ہونے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ قائداعظم کی طرح حضرت امام جماعت احمدیہ کا بھی خیال تھا کہ اگر ہندو کانگرس مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لے تو ملک میں ایک قومی حکومت قائم ہو سکتی ہے بلکہ آپ کا ایک عالمی تبلیغی جماعت کے پیشوا کی حیثیت سے یہ بین الاقوامی مسلک تھا کہ ساری دنیا کی ایک حکومت قائم ہونا باہمی فسادات دور

ہوں اور انسانیت بھی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو۔"

(الفضل ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

اس ضمن میں آپ نے ہندوستان کی نسبت بالخصوص اس عزم کا اعلان فرمایا:۔

"ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے یہ ملک ہمارا ہندوؤں سے زیادہ ہے ہماری سُستی اور غفلت سے عارضی طور پہ یہ ملک ہمارے ہاتھ سے گیا ہے۔ ہماری تلواریں جس مقام پہ جا کر کُند ہو گئیں وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہو گا اور اسلام کے خوبصورت اصول پیش کر کے ہم اپنے ہندو بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے۔"

(الفضل ۷ر اپریل ۱۹۴۷ء)

الغرض جب مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ملک میں نئے انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا۔ اس پر قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانان ہند کے نام پیغام دیا:۔

"ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے انتخابات ہمارے لیے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں ......ہم رائے دہندگان کی اس امر کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ پاکستان چاہتے ہیں یا ہندو راج

کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں ...... مجھے معلوم ہے کہ ہمارے خلاف بعض طاقتیں کام کر رہی ہیں اور کانگرس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کر دیا جائے جو ہمارے ساتھ

نہیں ہیں مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جا رہے ہیں یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں یہ صرف شکل و صورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں"۔

(اخبار انقلاب لاہور ۱۸ / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸)

قائد اعظم کی یہ بات سو فیصدی درست نکلی کانگرس نے اپنے زر خرید علماء کو تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف پراپیگنڈا کے لیے پورے ملک میں پھیلا دیا۔ چنانچہ کانگرس کے خود کاشتہ پودہ ـــــــ مجلس احرار ـــــــ کے لیڈروں نے یہاں تک وعظ فرمایا :۔

"کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو کاروان احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو احرار کا وطن بیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں احرار اس پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں"۔ (خطبات احرار صفحہ ۹۵)

احراری اخبار آزاد نے اپنی ۹ نومبر ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں لکھا:-

"پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ کا ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے"

احراریوں کے نزدیک قائداعظم کافرِ اعظم تھے چنانچہ مظہر علی اظہر کا مشہور شعر ہے:-

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا یہ قائداعظم ہے یا ہے کافرِ اعظم

احرار نے پاکستان کی نسبت جو واضح مسلک اختیار کر رکھا تھا وہ شیخ حسام الدین صاحب بی۔ اے کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:-

اسلام کے باغی پاکستان سے ہم اُس ہندو ہندوستان کو پسند کرینگے۔ جہاں نماز، روزہ کی اجازت کے ساتھ اسلام کے باقی عدل و انصاف کے پروگرام کے مطابق نظام حکومت ہوگا۔ یعنی ہر شخص کو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی زندگی بسر کرنا محض ضروریات زندگی مہیا کی جائینگی۔ اور کسی کو کسی درجے پر سیاسی یا اقتصادی فوقیت نہ ہوگی...... نظام اسلام کو چلانا اور امراء اور سلاطین کی لوٹ کھسوٹ سے لوگوں کو بچانا۔ پیغامبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مشن تھا۔

پس اگر محمد علی جناح اسلام کے اقتصادی اور سیاسی نظام کے خلاف کسی سرمایہ داری کے نظام کو چلائے تو نفع کیا اور اگر جواہر لال اور گاندھی خلفائے راشدین کی پیروی میں سوسائٹی میں نابرابری کے سارے نقوش کو مٹاتے چلے جائیں تو بطور مسلمان کے ہمیں نقصان کیا۔"

(تاریخ احرار صفحہ ۱۷۰ ـ ۱۶۹)

احرار پاکستان دشمنی میں قائد اعظم محمد علی جناح پر بھی شرمناک حملے کر رہے تھے اور کھلم کھلا کہتے تھے۔ "ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر کسی یزید جیسے مسلمان کے لیے تخت سلطنت بچھایا جائے۔"

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفحہ ۱۲۹ مؤلفہ جناب شورش کاشمیری)

جمعیتِ علمائے ہند نے اُن دنوں تحریکِ پاکستان کے خلاف اپنی انتخابی مہم میں بے شمار پمفلٹ اور رسائل شائع کئے جن میں پراپیگنڈا کیا کہ:۔

"مسلم لیگ کی تاریخ مسلمانانِ ہند کی پیشانی پر داغ ذلّت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس نام نہاد مسلم جماعت پر رعونت پسند سرمایہ داروں جاہ پرست نوابوں اور دشمنِ اسلام برطانیہ کے خطاب یافتہ غلاموں کا قبضہ ہے۔" [1]

---

[1] پمفلٹ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" صفحہ ۱۔ مرتبہ جمعیۃ علماء صوبہ دہلی۔

اور یہ کہ "پاکستان انگریزی ایجنٹوں کا فریب ہے"[1] نیز لکھا۔

"بلاشبہ پاکستان کا یہ تخیل سیاسی الہام ہے مگر ربانی الہام نہیں ہے۔ بلکہ قصرِ بکنگھم کا الہام ہے جو ڈاکٹر اقبال کو بھی جب ہی ہوا تھا جب وہ لندن سے قریب ہی زمانہ میں واپس تشریف لائے تھے اور وہ الہام دوبارہ اُس وقت پھر ہوا جبکہ مسلم لیگ کا وفد جو زیرِ سرکردگی چوہدری خلیق الزماں مصر اور لندن کا حج کرنے گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اور جس کو عرصہ کے بعد مسٹر جناح نے اپنایا اور لاہور میں پیش کرنے کی اجازت دی۔"[2]

احرار اور جمعیۃ علماء ہند کی طرح مودودی جماعت بھی پاکستان کے بدترین مخالفوں میں شامل تھی اور شروع ہی سے یہ پراپیگنڈا کرتی آ رہی تھی کہ تحریک پاکستان ایک قوم پرستانہ پروگرام ہے اور پاکستان اسلامی مقصد کے لیے اُلٹا قدم[3]، غیر مسلم حکومت سے بھی بدتر[4] خدا کی نگاہ میں مبغوض و ملعون اور ناپاکستان[5] بلکہ مسلمانوں

---

[1] اراکین مرکزی مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے ایک پمفلٹ کا عنوان۔

[2] "تحریک پاکستان پر ایک نظر" از مولٰنا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم اعلیٰ مرکزیہ جمعیۃ علمائے ہند۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

[3] اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ص۱۷۔

[4] ایضاً ص۲۱-۲۲۔

[5] "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۸۰-۸۱۔

کی ایک کافرانہ حکومت ہو گی[1] اور قائد اعظم کی سیاست اسلام کے لیے ازالہ حیثیت عرفی سے کم نہیں ہے[2]

۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات کے موقعہ پر احرار، جمعیتہ علماء ہند اور مودودی جماعت تینوں نے کانگرس کے ففتھ کالم کی حیثیت سے پاکستان اور مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ فرق صرف یہ تھا کہ احرار اور جمعیتہ نے تحریک پاکستان کے خلاف الیکشن میں سرگرم حصہ لیا مگر جماعت اسلامی نے مسلمانوں کو سرے سے انتخاب ہی کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی اور اس طرح تحریک پاکستان کا رستہ روکنے اور اس کو ناکام بنانے کی شرمناک سازش کی، چنانچہ مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ جمہوری انتخاب میں شرکت اور رائے دہی حرام ہے[3] اور دعویٰ کیا کہ قرآن وسنت سے میرا موقف ہی حق ہے[4] نیز اپنے مسلک پر اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ قائد اعظم "رجل فاجر" اور پاکستان "منتِ الحمقاء" ہے جس کے حصول میں ہم اپنی قوت کیوں ضائع کریں[5] نیز کہا۔

"اصولی تحریک (یعنی جماعت اسلامی۔ ناقل) کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لیے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیئے ہیں کسی

---

[1] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۱۷۔

[2] " " " " " " " ص ۲۹ تا ص ۳۲۔

[3] اخبار کوثر ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء ص ۳۔

[4] رسالہ ترجمان القرآن مئی ۱۹۴۶ء ص ۳۴ تا ص ۴۷۔

[5] " " فروری ۱۹۴۶ء ص ۱۵۴ تا ص ۱۶۰۔

بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل تیار ہے[۱]"

مودودی صاحب نے نظریہ پیش کیا ہے کہ مطالبہ پاکستان محض ایک قومی جنگ ہے اور اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی[۲]"

جماعت اسلامی نے انتخابات کے دوران تحریک پاکستان کے خلاف جو مورچہ بندی کی تھی اس کا عملی تشکریہ ادا کرنے کے لیے کانگرس کے سب سے بڑے ہندو لیڈر گاندھی جی نے بہار میں تقریر کا پروگرام ترک کر دیا اور جماعت کے اجماع پٹنہ (منعقدہ ۲۶ راپریل ۱۹۴۷ء) میں شرکت کی اور بہت اظہار مسرت کیا۔ پٹنہ کے کانگرسی اخبار "سرچ لائٹ" SEARCHLIGHT کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۲۷ راپریل ۱۹۴۷ء میں یہ سب واقعہ شائع ہو چکا ہے[۳]

جہاں (قائداعظم کی اصطلاح کے مطابق) کانگرس کے سدھائے ہوئے علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مرکزی اور صوبائی انتخابات کے ذریعہ تحریک کا نام و نشان تک مٹا ڈالیں وہاں حضرت مرزا بشیر الدین محمود امام جماعت احمدیہ نے ۲۲ راکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک مفصل مضمون میں اعلان کر دیا کہ "آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہیئے تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان

---

[۱] ترجمان فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۵۴ تا ۱۶۰۔

[۲] روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم صفحہ ۶۴ - ۶۵

[۳] " " " " " ۱۶۲ - [۴] ایضاً صفحہ ۱۷۳

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور اب سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک انکا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقلمند اس حالت کی ذمہ داری اپنے پر لینے کو تیار ہو۔"

(الفضل ۲۲ راکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ اس جماعتی پالیسی کے اعلان سے قبل اپنے ایک خط میں بھی مسلم لیگ کی تائید میں ہدایت جاری فرما چکے تھے۔ اس خط کی نقل قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھجوائی گئی تو آپ نے امام جماعت احمدیہ کے اس فیصلہ پر خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور امام جماعت احمدیہ کے الفاظ پریس میں بغرض اشاعت بھجوا دیئے جو ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے حوالے سے مسلم اخبار ڈان (دہلی) نے اپنی ۸ راکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چھپے۔

جماعت احمدیہ نے اپنے دینی پیشوا کی آواز پر کس طرح شاندار طریق سے والہانہ لبیک کہا اور مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کا روح پرور منظاہرہ کیا؟ اس کا اندازہ مجلس احرار اسلام قادیان کے ایک کتابچہ "مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" سے بآسانی لگ سکتا ہے یہ کتابچہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں شائع کیا گیا اور اس میں مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کے قدیمی مراسم و روابط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

بقیہ صفحہ سابقہ

ے انتخابات کے موقعہ پر کانگرس نے کس طرح اپنے احراری ایجنٹوں پر روپیہ بہایا اور احراریوں نے بندر بانٹ کی۔ اس کی تفصیل شورش صاحب کی کتاب "بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل" از صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۴ میں موجود ہیں۔

"صرف مسلم لیگ پارٹی ہی ایسی پارٹی تھی جس کے ساتھ مرزائیوں کو کچھ توقعات تھیں کیونکہ سر ظفر اللہ خاں مرزائی ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہ چکے تھے ۔۔۔ کانگرس اور مسلم لیگ میں تلخیاں بڑھیں اور پاکستان کا مطالبہ شروع ہوا ۔۔۔۔ مرزا محمود اور اس کی پراپیگنڈا ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط و کتابت کی مسٹر جناح نے یہ نہ سوچا کہ پولیٹیکل پالیسی اسلام کو کیا نقصان پہنچائے گی آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مسلم لیگ میں شامل کر لیا ۔۔۔۔۔۔ ۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کا اجلاس ہوا، مولانا عبدالحامد بدایونی ۔۔۔ نے اس کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا کہ مرزائی چونکہ مسلمان نہیں ہیں اس لیے ان کو نکال دیا جائے ۔۔۔ جب یہ قرارداد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی، بھلا لیگی نقارخانے میں مذہبی باتیں کس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں وہاں تو ہر بات میں جناح یا جناح نما لیگی امراء کے رحم پر لیگ میں رہنا پڑتا ہے ۔۔۔ چنانچہ سال ۱۹۴۵ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زمانہ شروع ہوا تو مرزائیوں اور لیگیوں میں خفیہ ساز باز شروع ہوئی ۔۔۔ مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینہ میں ایک اہم اعلان کیا (آگے اس اعلان کے بعض فقرے درج کرنے کے بعد لکھا) یہ مقالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں اس کے بعد

مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی اور مرزا محمود کی پالیسی کو سراہا اس کے بعد سنٹرل اسمبلی کے الیکشن ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے یہانتک کہ جب مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور جو

کسی زمانے میں مرزائیوں کے شدید ترین دشمن تھے اُن کا مسٹر گابا کا مقابلہ ہوا تو دفتر ضلع لیگ گورداسپور نے مرزا محمود احمد قادیانی کو ایک چٹھی لکھی جس میں مرزائیوں کو صاف طور پر مسلمان قوم تسلیم کیا گیا (چٹھی کی نقل کے بعد لکھا ہے) اس چٹھی پر تمام مرزائی بٹالہ گئے۔ بٹالہ کے مسلم لیگی کارکنوں نے ان سے معانقے کئے ووٹ مولانا ظفر علی خاں کے حق میں گذارے گئے ۔ دیگر بعض مسلم لیگ کے لیڈر لاہور سے بذریعہ کار تشریف لاکر اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتے رہے "

(صفحہ ۱۸-۱۹)

جماعت احمدیہ نے اس معرکۂ حق و باطل میں جس شان سے حصہ لیا اُس کا اندازہ مؤرخ پاکستان مولانا رئیس احمد صاحب جعفری کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی بخوبی لگ سکتا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب "قائد اعظم اور اُن کا عہد" میں زیر عنوان "اصحاب قادیان اور پاکستان" حضرت امام جماعت احمدیہ کے بیان جاری فرمودہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھا :-

"مسلم قوم کی مرکزیت پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید، مسلمانوں کے پاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی، تفرقی بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ داعی اور امام الہند؟ نہیں۔ پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتوؤں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے، جن کا ایمان، جن کا عقیدہ مشکوک، مشتبہ اور محلِ نظر ہے۔

کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ؎

کام اس فرقۂ زہّاد سے اُٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رِندانِ قدح خوار ہوئے"

("قائد اعظم اور اُن کا عہد" صفحہ ۴۲۴ تا ۴۲۷)

جماعت احمدیہ نے تحریک پاکستان کے اس اہم ترین موڑ پر جو تاریخی رول ادا کیا اُس کا اعتراف ممتاز اہل حدیث عالم جناب مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

کو بھی کرنا پڑا، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مسلم لیگ" میں لکھا:۔

"احمدیوں کا اس اسلامی جھنڈے کے نیچے آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ وجہ یہ کہ احمدی لوگ کانگرس میں تو شامل ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت نہیں ہے اور نہ احرار میں شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنی احراری جماعت کے لیے لڑتے ہیں جن کی امداد پر کانگریسی جماعت ہے اور حدیث "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" کی تفصیل میں خود رسولِ مقبولؐ نے عامۂ مسلمین کی خیر خواہی کو شمار کیا ہے۔ (صحیح مسلم)

ہاں اِس وقت مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو خالص مسلمانوں کی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے سب فرقے شامل ہیں۔ پس احمدی صاحبان بھی اپنے آپ کو ایک اسلامی

فرقہ جانتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے، جس طرح کہ
اہلِ حدیث اور حنفی اور شیعہ وغیرہم شامل ہوئے، اور
اس امر کا اقرار کہ احمدی لوگ اسلامی فرقوں میں سے
ایک فرقہ ہے مولانا ابو الکلام صاحب کو بھی ہے"

(صفحہ ۱۱۲ و ۱۱۳)

انتخابات میں جماعت احمدیہ نے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی جو زبردست تائید و
حمایت کی اس سے کانگرسی حلقے سخت بوکھلا اُٹھے اور نیشنلسٹ اور کانگرسی علماء
نے قائد اعظم پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک لکھا:۔

"آج مسٹر جناح بیرسٹر کی بجائے مفتی کی حیثیت اختیار کر بیٹھے ہیں اور
سر ظفر اللہ قادیانی۔۔۔ کو جو پاکستان کے حامی ہیں مسلمان دیانتدار قرار
دیتے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے
عمائدین ملّت کو بددیانت بے ایمان کہہ دیتے ہیں"

(تحریک پاکستان پر ایک نظر صفحہ ۴ از ناظم جمعیۃ علماء ہند)

آٹھویں فصل

مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کے لیے جد و جہد

تحریکِ پاکستان کے اعتبار سے مسلم لیگ کا عبوری حکومت میں شامل ہونا ۱۹۴۶-۴۷ء کے انتخابات کے بعد سب سے نمایاں اور سب سے اہم واقعہ ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ نے اس کے نتیجہ میں صرف چار پانچ ماہ کے اندر اندر پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی۔ اور ملک میں متحدہ دستور ساز اسمبلی کے امکانات ختم ہو جانے پر برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح کانگریس کا یہ دیرینہ خواب کہ وہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے اپنی کثرت کے بل بوتے پر پورے ملک کے نظامِ حکومت کو چلائے گی دھرا کا دھرا رہ گیا اور برطانوی حکومت کو بالآخر مطالبہ پاکستان کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت انتہائی مخالف اور مایوس کن حالات میں ہوئی جن میں یہ خوشگوار انقلاب حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود کی دعاؤں اور توجہات ہی کی برکت سے ہوا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پارلیمنٹری مشن نے وائسرائے ہند کے مشورہ

۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا اور مسلم لیگ اور کانگرس کے زعماء کے نام دعوت نامے جاری کئے کہ وہ اس عارضی حکومت کے رکن کی حیثیت سے یہ قومی ذمہ داری قبول کر لیں۔ اعلان میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ جو سیاسی جماعت عارضی حکومت میں شامل نہ ہوگی اس سے صرف نظر کر کے دوسری جماعت کے اشتراک سے عارضی حکومت بنا دی جائے گی۔[1]

مسلم لیگ نے ایک قرارداد کے ذریعہ عبوری حکومت میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی مگر کانگرس نے یہ دعوت رد کر دی۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اس موقعہ پہ بیان دیا کہ :-

"مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر عارضی حکومت کے متعلق کسی پارٹی نے ہماری تجاویز منظور نہ کیں تو پھر ہم حکومت قائم کر دیں گے اس اعلان کے مطابق اب اس کا فرض ہے کہ وہ کانگرس کو چھوڑ کر باقی پارٹیوں کے ساتھ عارضی حکومت قائم کر دے"[2]

مگر افسوس وائسرائے ہند لارڈ ویول نے دعوت واپس لے لی جس پہ مسلم لیگ کونسل کو بھی اپنے اجلاس بمبئی میں بطور احتجاج اپنی رضامندی منسوخ کرنا پڑی۔ وائسرائے ہند نے جو اسی موقعہ کی تاک میں تھے کانگرس سے گٹھ جوڑ کر کے پنڈت جواہر لال نہرو صدر

---

[1] قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۹ مؤلفہ محمد اشرف عطاء

[2] الفضل ۲۸ جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۴

آل انڈیا کانگرس کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دے دی جو پنڈت جی نے فوراً منظور کرلی اور اعلان پر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا چاہے ہم اسے مجبور نہیں کر سکتے نہ اس کا انتظار کر سکتے ہیں ہم دستور سازی کا کام شروع کریں گے اور عبوری حکومت کو تنہا کامیابی سے چلا کر دکھا دیں گے ازاں بعد انہوں نے ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت کا چارج بھی سنبھال لیا اس طرح مسلمانوں کو نظر انداز کر کے اقتدار کی پوری باگ ڈور ہندو اکثریت کو سپرد کر دی گئی اور مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدل گئی اور مسلم لیگ کے لیے آبرومندانہ طور پر عبوری حکومت میں داخلہ کے سب راستے مسدود ہوگئے اور مسلمانانِ ہند پر مایوسی اور قنوطیت کے گھٹاٹوپ بادل چھا گئے۔

مسلمانانِ ہند نے ملک بھر میں یوم احتجاج منایا اور قائداعظم نے راست اقدام کی دھمکی دی مگر کانگرس حکومت نے جو انگریز کا واحد جانشین بننے کی خواب کو پورا ہوتے دیکھ کر نشہ میں مخمور ہو چکی تھی اس دھمکی کا جی بھر کر مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ محض گیدڑ بھبکی ہے۔ حکومت سے ٹکر لینا آسان نہیں یہ عیش و عشرت کے خوگر بھلا جنگ ہی کہاں کر سکتے ہیں اگر لڑیں گے تو ہار جائیں گے خود حکومت بھی ان کے مقابلہ کے لیے تیار اور چوکس ہے اور وہ ان نئے سرکشوں اور باغیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی [1]

اس تاریک ترین دور میں جبکہ نہ صرف مسلم لیگ کا وقار معرض خطر میں پڑ گیا بلکہ تحریک پاکستان کا خاتمہ اور مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا منظر آنکھوں کے سامنے

---

[1] "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۳۹ - ۴۰

پھرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کو خبر دی گئی کہ اس مشکل مرحلے کا حل آپ کے ساتھ بھی وابستہ ہے، چنانچہ آپ بعض خدام سمیت ۲۴ ستمبر ۱۹۴۶ء سے لیکر ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء تک دلی میں تشریف فرما رہے اور قائداعظم محمد علی جناح، نواب صاحب بھوپال، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب صاحب نشتر، نواب سر احمد سعید خان چھتاری کے علاوہ مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی تبادلۂ خیال کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کو چٹھی بھجوائی کہ جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے مگر موجودہ سیاسی بحران میں اس کی اصولی ہمدردی تمام تر مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ ایک دوسری چٹھی میں اُن پر واضح کیا کہ اگر مسلم لیگ اور کانگریس کی گفت وشنید ناکام ہوتی نظر آئے تو اُسے التواء کی صورت قرار دیا جائے تا دونوں سیاسی حلقے مزید غور کر سکیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کی دُعاؤں اور مادی تدابیر نے بالآخر کامیابی کی راہ کھول دی۔ وائسرائے ہند نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے اور کانگریس سے سمجھوتہ کئے بغیر عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا[۱] اور ۱۳ اکتوبر کو اس کی اطلاع بھی وائسرائے ہند تک پہنچا دی گئی۔ یہ فیصلہ چونکہ انتہائی غیر موافق اور خلافِ توقع حالات میں ہوا اس لیے اُس نے کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچا دی اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب آتی دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہندو اخبار "ملاپ" نے صاف لفظوں میں اس رائے کا اظہار کیا :۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ جواہر لال جی اور اُن کے ساتھیوں کے جوشِ آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے۔"

(بحوالہ نوائے وقت ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۳)

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۱

نویں فصل

خضر وزارت کے استعفاء کی کامیاب کوشش

برطانوی حکومت تمام اختیارات ہندوستان کو سپرد کر دینے کا اعلان کر چکی تھی مگر چونکہ اٹیلی حکومت کے اعلان اور وزارتی مشن کے فارمولا کے مطابق انتقالِ اقتدار ابتداءً صوبوں کو ہونے والا تھا اور صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کی بجائے یونینسٹ وزارت قائم تھی جس کی موجودگی میں اس صوبہ کے پاکستان میں آنے کا امکان قطعی طور پر مخدوش تھا۔ اس لیے قائداعظم اور دوسرے تمام ذمہ دار مسلم لیگی اس صورتِ حال پر بے حد متوشش تھے حد یہ ہے کہ قائداعظم کے مشورے پر پنجاب کے مسلم لیگی اکابر نے سر خضر حیات خاں وزیراعظم یونینسٹ حکومت سے مذاکرات کر چکے تھے مگر اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

اس انتہائی نازک اور پریشان کُن موقع پہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بنفسِ نفیس لاہور تشریف لائے اور ملک خضر حیات خاں کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ وہ مستعفی ہو کر مسلم لیگ اور پاکستان کے لیے رستہ صاف کر دیں۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر ۲؍ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر حیات وزارت سے مستعفی ہو گئے جس پر قائداعظم اور مسلمانانِ ہند نے جشنِ مسرت منایا۔ اخبار "ٹریبیون" نے ۵؍ مارچ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں خبر دی کہ :-

"معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا ہے۔"

اخبار "ملاپ" مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۵۱ء لکھتا ہے:۔

"یہ ایک واضح بات ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے خضر حیات کو مجبور کر کے اس سے استعفاء دلایا۔ خضر حیات کا استعفاء مسلم لیگ کی وزارت بننے کا پیش خیمہ تھا۔ اگر خضر حیات کی وزارت نہ ٹوٹتی تو آج پنجاب کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

جماعت احمدیہ کی قیام پاکستان کے تعلق میں ان سب مجاہدانہ اور سرفروشانہ خدمات پر دہلی کے اخبار "ریاست" نے اپنے ایک ادارتی نوٹ میں طنزاً لکھا کہ احمدی آج پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہو گیا تو دوسرے مسلمان اُن کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جو افغان حکومت نے کابل میں احمدیوں کیساتھ کیا تھا۔

اس پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۱۶ر مئی ۱۹۴۷ء کو ایک پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے مطالبۂ پاکستان کی معقولیت و ضرورت پر روشنی ڈالی۔ نیز اعلان فرمایا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہر حال مظلوموں کا ساتھ دیں گے خواہ ہمیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔ حضور کی یہ تاریخی اور یادگار تقریر ۱۲ر مئی ۱۹۴۷ء کے الفضل میں شائع شدہ ہے۔

دسویں فصل

باؤنڈری کمیشن میں مسلم حقوق کی حفاظت کے لیے جد و جہد

۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لیے ایک حد بندی کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا گیا۔ جس کی صدارت سر سیرل ریڈ کلف کو سونپی گئی۔ سکھوں نے مطالبہ کیا کہ اگر کمیشن نے مشرقی پنجاب کی حد دریائے چناب مقرر نہ کی تو سکھ برطانوی سکیم کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ باؤنڈری کمیشن نے ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ جو جماعتیں کوئی میمورنڈم پیش کرنا چاہیں وہ ۱۸ جولائی تک مع چار زائد نقول اور ایسے چار نقشوں کے پیش کر دیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ صوبے کی حد کس جگہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کمیشن نے صوبہ پنجاب کے جن پندرہ اضلاع کو متنازع فیہ قرار دیا اُن میں گورداسپور اور لاہور کے ضلع بھی شامل تھے حالانکہ ۳ جون کی برطانوی سکیم میں ان کو قطعی طور پر مسلم اکثریت کا ضلع تسلیم کیا گیا تھا۔

کانگریس نواز علماء ۱۹۴۵ء کے الیکشن سے یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ احمدی مسلمان نہیں اور یہ خدشہ یقینی تھا کہ ہندو یا سکھ باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی بحث کے دوران یہ سوال اُٹھا دیں گے کہ احمدی چونکہ مسلمان نہیں اس لیے ضلع گورداسپور کی

مردم شماری میں اُن کو مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے تو یہ ضلع لازماً غیر مسلم اکثریت کا ضلع قرار پاتا ہے اس لیے اُسے مشرقی پنجاب میں آنا چاہیئے۔ اس تشویش ناک صورتِ حال کے پیشِ نظر مسلم لیگ کی ہدایت پر جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ کے وقت میں ایک علیحدہ محضر نامہ پیش کیا۔ یہ محضر نامہ نہایت قیمتی، بیش بہا اور مستند معلومات پر مشتمل تاریخی دستاویز ہے جو شائع شدہ ہے جس میں زبردست دلائل سے یہ ثابت کیا گیا کہ مغربی پنجاب کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ گورداسپور کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہو تاکہ دریائے بیاس کے اُس طرف جو مشرقی پنجاب کے علاقے ہیں اُن کو پاکستان پر حملہ کرنے کی کھُلی چھٹی نہ مل جائے۔ جماعتِ احمدیہ کے وکیل شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے دورانِ بحث جسٹس تیجا سنگھ کے ایک سوال کے جواب میں کہا:۔

تمام احمدی اوّل سے آخر تک مسلمان ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک حصّہ سمجھتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے اس محضر نامہ اور وضاحت نے ہندوؤں اور سکھوں کے اس خیال کو پاش پاش کر دیا کہ وہ کانگرسی علماء کے بل بوتے پر اس ضلع کو غیر مسلم اکثریت کا ضلع ثابت کر دکھائیں گے اور اگرچہ ریڈ کلف ایوارڈ اور کانگریس کے گٹھ جوڑ اور سوچے سمجھے منصوبہ کے نتیجے میں اس مسلم اکثریت کے صوبہ کی تین تحصیلوں (تحصیل بٹالہ و تحصیل پٹھانکوٹ و تحصیل گورداسپور) کو ظالمانہ طور پر ہندوستان کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ مگر ریڈ کلف اپنی بد دیانتی اور فریب کاری کے جواز میں احمدیوں کے محضر نامہ کی وجہ سے کوئی دلیل دینے کی جرأت نہ کر سکا۔ جماعتِ احمدیہ نے ضلع گورداسپور اور قادیان کو پاکستان میں شامل کرنے کے لیے دن رات ایک کر کے صوبہ پنجاب اور گورداسپور کی مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار جمع کئے

احمدی پروفیسر، ڈرافٹسمین اور نقشہ نویس پاکستانی حدود کے زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لیے سرتاپا جہاد بن گئے۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت نے امریکہ اور برطانیہ سے نہایت قیمتی باونڈری لٹریچر منگوایا جو بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان پہنچا جس کے ڈاک خرچ پر ہی ہزار روپے سے زائد رقم خرچ کرنا پڑی جماعت احمدیہ نے برطانیہ کے ایک ماہر اور ممتاز جغرافیہ دان ڈاکٹر اوسکر ایچ۔ کے سپیٹ (O.H.K. SPATE) کی خدمات بھی حاصل کیں جنہوں نے لنڈن سے ہندوستان پہنچ کر باونڈری کمیشن کے دوران جماعت احمدیہ اور مسلم لیگ کے کے محضر ناموں اور بحث کی تیاری میں ہر ممکن مدد دی اور جو خاص طور پر مسلم لیگ کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر سپیٹ کے تمام اخراجات تنہا جماعت احمدیہ نے برداشت کئے۔

جہاں تک مسلم لیگ کے کیس کا تعلق ہے اس نازک ترین ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے قائد اعظم کی نظر انتخاب احمدیت کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی جنہوں نے انتہائی مشکلات اور تیاری کے مختصر ترین وقت کے باوجود مسلم اقلیت کے حقوق کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے نہ صرف اپنے قلم سے مسلم لیگی زعماء کے مشورہ سے محضر نامہ کا مکمل متن تیار کیا بلکہ ۲۶ جولائی سے ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء تک حد بندی کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا نقطۂ نگاہ غیر معمولی قابلیت سے نمایاں کر دکھایا۔ آپ کی فاضلانہ اور مدلل بحث ریڈ کلف ایوارڈ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

باونڈری کمیشن کے اختتام پر جناب حمید نظامی نے اپنی اخبار "نوائے وقت" لاہور

کی یکم اگست ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں چوہدری صاحب کی اس فقید المثال خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا:۔

"حد بندی کمیشن کا اجلاس ہوا۔سنسر کی پابندیوں کی وجہ سے ہم نہ اجلاس کی کارروائی چھاپ سکے نہ اب اس پر تبصرہ ہی ممکن ہے

کمیشن کا اجلاس دس دن جاری رہا۔ساڑھے چار دن مسلمانوں کی طرف سے بحث کے لیے مخصوص رہے مسلمانوں کے وقت میں سے ہی اُن کے دوسرے حامیوں کو بھی[1] وقت دیا گیا۔اس حساب سے کوئی چار دن سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ

---

[1] یہ قطعی شہادت اس امر پر ہے کہ احمدیوں نے سمیوزنڈم مسلم لیگ کی حمایت کے لیے پیش کیا تھا۔

اُن کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب

اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے

سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی تیاری کے لیے بہت

کم وقت ملا۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث

انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا ہمیں یقین

ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ اُن کے

اس کام کے معترف اور شکر گزار ہوں گے۔"

اخبار "نوائے وقت" لاہور نے ۴ ۲ راگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں حسب

ذیل نوٹ بھی لکھا:۔

جب قائد اعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری

کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش

ہوں تو ظفر اللہ خاں نے فوراً یہ خدمت سر انجام دینے

کی حامی بھری ------ اور اُسے ایسی قابلیت سے

سر انجام دیا کہ قائد اعظم نے خوش ہو کر آپ کو یُو۔این۔او

میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔ جس طرح آپ نے
ملّت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام
پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا
آپ نے ملک و ملّت کی شاندار خدمات سرانجام دیں
تو قائدِ اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اُس عہدے پر فائز
کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیرِ اعظم کے بعد
سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے"

علاوہ ازیں جسٹس محمد منیر صاحب نے جو ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کی طرف سے
ممتاز رُکن اور فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کی تحقیقاتی عدالت کے صدر تھے اپنی عدالتی رپورٹ
میں لکھا:۔

"عدالت ہذا کا صدر جو اس (باؤنڈری) کمیشن کا ممبر
تھا اُس بہادرانہ جدّوجہد پر تشکّر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا
فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے
گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے

کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چوہدری ظفر اللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتی تحقیقات میں اُن کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ قابل شرم ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔" (رپورٹ عدالتی تحقیقات صفحہ ۲۰۹)

اس "قابل شرم ناشکرے پن" کا مظاہرہ کرنے والوں میں احراری طائفہ[۱] سرفہرست تھا جو تحریک پاکستان، مسلمانان پاکستان اور قائداعظم کا ازلی دشمن، کانگرس کا ایجنٹ اور تقسیم پنجاب کے معاملہ میں ریڈ کلف الوارڈ اور کانگرس کے ساتھ برابر کے ذمہ دار تھا اور احمدیوں کو تحریک پاکستان کی اٹھاون سالہ سنہری اور عدیم المثال خدمات کی سزا دلوانے اور ساتھ ہی "ختم نبوت" کے نام پر درپردہ ختم پاکستان کی تحریک چلا رہا تھا کیونکہ "امیر شریعت" کی نگاہ میں "پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔"[۲]

---

[۱] احرار کے برعکس مودودی صاحب کے نزدیک بنگال و پنجاب کی تقسیم اور سرحدوں کی تعیین کیلئے ریڈ کلف ایوارڈ کی ثالثی کے اصل ذمہ دار قائداعظم اور ان کے مسلم لیگی رفقاء ہیں اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس قیادت کی غلطیاں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جاسکے۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صفحہ ۶۹-۷۰

[۲] رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء اردو صفحہ ۲۷۵)

پاکستان کے مشہور و ممتاز صحافی میاں محمد شفیع صاحب مدیر "اقدام" لاہور احراری عنصر کی پاکستان دشمن سرگرمیوں اور اس کے خوفناک نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے نہایت محتاط الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"مجلس احرار اسلام جس میں شاہ صاحب ایک گرم و تڑپتے ہوئے دل کی حیثیت رکھتے تھے اجتہادی غلطی کا شکار ہو گئے اور تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بننے کی بجائے سیاسی بھمبل بھوسوں میں گرفتار ہو گئے اگر اس وقت مسلم لیگ کو احرار اسلام ایسی فعّال جھتہ بند اور بجاندار جماعت کی تائید حاصل ہو گئی ہوتی تو کم از کم پنجاب کی شہ رگ کے قریب سے تقسیم نہ ہوتی۔"

("شاہ جی" صفحہ ۴۹ مؤلفہ نذیر مجیباری)

حضرت قائد اعظم وسیع حوصلگی رواداری، محبت اور شفقت کے مجسمہ اور فراخدلی اور عفو کے پیکر تھے مگر آپ نے پاکستان کے غداروں کا یہ شرمناک جرم جس نے ربع صدی سے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کیلئے بیشمار مسائل پیدا کر ڈالے ہیں، عمر بھر معاف نہیں کیا جس کا اعتراف احراری شریعت کے امیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بھی ہے چنانچہ آپ نے ایک بار خود ہی بتایا کہ:-

"میں نے قائد اعظم کے بوٹ پر اپنی ڈاڑھی رکھی پر وہ نہ پسیجے۔" (آزاد ۴ر نومبر ۱۹۴۹ء)

گیارہویں فصل

قیام پاکستان اور حضرت امام جماعت احمدیہ کا پُرشوکت بیان

الحمد للہ مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کی متحدہ کوششیں بالآخر جناب الٰہی میں قبول ہوئیں اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیائے اسلام کے افق پر ستارہ بن کر نمودار ہو گیا مگر جس طرح جماعت احمدیہ نے بحیثیت الجماعت برصغیر کے دوسرے تمام مسلمان فرقوں سے بڑھکر قیام پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا۔ اُسی طرح قیام پاکستان پر کانگریس اور انگریز کی ظالمانہ اور انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بھی سب سے بڑھکر اُسی کو بننا پڑا۔ لہذا اُسے حصول پاکستان کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی حتیٰ کہ اس کا محبوب مرکز قادیان جسے پورے ملک کے اسلام دشمن طبقوں کی نظروں سے نظر تھی پاکستان سے جدا کر دیا گیا اور قادیان اور مشرقی پنجاب کے مظلوم احمدیوں کے علاوہ اسیروں کے رستگار" ملت اسلامیہ کے بطل جلیل اور تحریک پاکستان کے عظیم جرنیل سیدنا و ہمنا ومرشدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کو بھی ہجرت کرکے پاکستان آنا پڑا۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد جن کی قیادت میں جماعت احمدیہ نے تحریک پاکستان کی بے لوث اور مسلسل جنگ لڑی تھی پاکستان پہنچ کر اُن غموں کو بھول گئے جو

ہندوستان میں جماعت احمدیہ اور آپ کو پیش آئے۔ اس لیے کہ آپ کا مکان گو آپ کے ہاتھ سے جاتا رہا مگر آپ کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان مل گیا اور آپؐ کے مقدس نام پر ایک عظیم الشان اسلامی مملکت قائم ہوگئی جس نے مسلمانوں کے لیے ترقی کے وسیع دروازے کھول دیئے اور ایک بین الاقوامی اسلامستان کی بنیاد رکھدی چنانچہ آپ نے پاکستان میں پہنچ کر یہ پُرشوکت اعلان فرمایا:۔

"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقعہ میسّر آگیا ہے اور وہ آزادی کیساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب اُن کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ اُن کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم اُن کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی پاکستان ایک چھوٹی چیز ہے۔ ہمیں اپنا قدم اس سے آگے بڑھانا چاہیئے اور پاکستان کو اِسلامستان کی بنیاد بنانا چاہیئے۔ بیشک پاکستان بھی ایک اہم چیز ہے بیشک

عرب بھی ایک اہم چیز ہے۔ بیشک حجاز بھی ایک اہم
چیز ہے۔ بیشک مصر بھی ایک اہم چیز ہے۔ بیشک ایران
بھی ایک اہم چیز ہے۔ مگر پاکستان اور عرب اور حجاز اور
دوسرے اسلامی ممالک کی ترقیات صرف پہلا قدم ہیں
اصل چیز دنیا میں اسلامستان کا قیام ہے۔ ہم نے پھر سارے
مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا ہے۔ ہم نے پھر اسلام
کا جھنڈا دنیا کے تمام ممالک میں لہرانا ہے۔ ہم نے پھر
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عزت اور آبرو
کے ساتھ دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے۔ ہمیں پاکستان
کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے۔ ہمیں مصر
کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے۔ ہمیں عرب
کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے۔ ہمیں ایران
کے جھنڈے بلند ہونے پر بھی خوشی ہوتی ہے۔ مگر ہمیں
حقیقی خوشی تب ہو گی جب سارے ملک آپس میں اتحاد

کرتے ہوئے اسلامستان کی بنیاد رکھیں۔ ہم نے اسلام
کو اس کی پرانی شوکت پر قائم کرنا ہے۔ ہم نے خدا تعالیٰ
کی حکومت دنیا میں قائم کرنی ہے۔ ہم نے عدل اور
انصاف کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور ہم نے عدل و انصاف
پر مبنی پاکستان کو اسلامک یونین کی پہلی سیڑھی بنانا ہے
یہی اسلامستان ہے جو دنیا میں حقیقی امن قائم کرے گا
اور ہر ایک کو اس کا حق دلائیگا۔ جہاں روس اور امریکہ
فیل ہوا صرف مکہ اور مدینہ ہی انشاء اللہ کامیاب
ہوں گے۔"

(الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء ص ۷-۸)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

ضیاء الاسلام پریس ربوہ